ہوئی۔ ۱۹۲۳ء کے دستور میں مرد و زن کو مساوی حقوق دیے گئے۔ لیکن بہت جلد قانونِ انتخاب نافذ ہوا تو خواتین پھر ایک بار حقوق سے محروم ہوگئیں۔ لیکن اسی سال ہدیٰ شعراوی کی رہ نمائی میں خواتین کی پہلی تنظیم 'الاتحاد النسایی' کے نام سے قائم ہوئی۔ ۲۶؎ اس کی وجہ سے خواتین کو امیدواری اور ووٹنگ کا حق حاصل ہوا۔ پھر جب قانونِ انتخاب کے ذریعہ اس حق کو سلب کرلیا گیا تو اس تنظیم نے اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کی۔ اس نے تعلیم نسواں کے کئی ادارے قائم کیے۔ دیگر ممالک کی نسائی تنظیموں سے بھی اس نے تعلقات قائم کیے۔ ۲۷؎

تحریک آزادی نسواں اور شعراء

مصر میں آزادیِ نسواں کی تحریک میں شعراء نے بھی اپنا کردار نبھایا ہے۔ انہوں نے تعلیمِ نسواں، حجاب، تعددِ ازواج، نکاح و طلاق کے علاوہ دیگر موضوعات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ اس سے تحریکِ نسواں کو فائدہ ہوا۔ اس عہد کے نمائندہ شعراء میں رفاعہ رافع طھطاوی، احمد فارس شدیاق، حافظ ابراہیم، خلیل مطران، ولی الدین یکن، احمد محرم، احمد شوقی اور باحثہ بادیہ وغیرہ کا نام قابلِ ذکر ہے۔

یہ ہے مصر میں آزادیِ نسواں کے میدان میں کی جانے والی کوششوں کا مختصر جائزہ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کوششوں میں اسلامی حدود و قیود کی پوری پابندی نہ کی جا سکی۔ اسلام پسند ادبا و شعرا، مفکرین اور اصحابِ علم نے اسلامی قدروں کو نمایاں کرنے اور معاشرہ کی اصلاح کی اپنی سی کوشش ضرور کی، لیکن وہ پوری طرح کام یاب نہ ہو سکے۔

حواشی و مراجع

(1) B.S. Anderson and J.P Zinsser, A history of their own (Women in Europe from prehistory to the present) Penguin Books, England, 1990.voll ii p.334.

(2) christine de pizan, The book of the city of ladies, tans earl jeffrey richards, New York. Persea Books. 1982. p,5

۳۔ عائشہ تیموریہ (۱۸۴۰۔۱۹۰۲ئ) کی تعلیم اسی انداز پر ہوئی تھی۔
۴۔ عجائب ال آثار، عبدالرحمن الجبرتی، ج ۳، ص ۱۶۱۔
۵۔ تطور النھضۃ النسایۃ فی مصر، دریہ شفیق و ابراہیم عبدہ، ص ۲۹۔ ۳۲
۶۔ حوالہ سابق، ص ۴۹
۷۔ عودۃ الحجاب، محمد احمد اسماعیل، ص ۲۸۔۲۹
۸۔ زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث، احمد امین، س ۱۱۴
۹۔ رفاعہ طھطاوی، تخلیص الابریز فی تلخیص باریز، ۱۸۲۱ء
۱۰۔ احمد فارس شدیاق، الساق علی الساق فیما ھو الفاریاق، الکتاب الثانی، ص ۳۲۰
۱۱۔ حوالہ سابق، ص ۱۲۶
۱۲۔ تاریخ الامام الشیخ محمد عبدہ، سید رشید رضا، ج ۶، ص ۱۰۹۔ ۱۱۲
۱۳۔ قاسم امین، 'تحریر المرأۃ'، ص ۱۷
۱۴۔ آثار الزعیم سعد زغلول، ابراہیم الحریزی، ص ۳۷
۱۵۔ کلمتان فی السفر والحجاب، عبدالقادر المغربی، ص۔ ۱۔۱۱
۱۶۔ حوالہ سابق، ص۔ ۱۳
۱۷۔ النسائیات، باحثہ بادیہ، مقدمہ از لطفی السید۔
۱۸۔ باحثہ بادیہ، النسائیات، ص ۳۵
۱۹۔ أدباء معاصرون، رجاء النقاش، ص۔ ۲۷
۲۰۔ تطور النھضۃ النسایۃ، ص ۸۔ ۸۸
۲۱۔ مقالہ، صالون نازلی ہانم، ڈاکٹر سید فہمی ثناوی، مجلۃ الھلال، ۴/ستمبر ۱۹۸۲ئ، ص ۴۳
۲۲۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے المحافظۃ والتجدید فی مصر، انور الجندی، ص۔ ۱۳۱
۲۳۔ ثورۃ ۱۹۱۹ئ، عبدالرحمن الرافعی، ج ۱، ص، ۱۸۶
۲۴۔ ڈاکٹر سطوت ریحانہ، مصر میں آزادی نسواں کی تحریک اور جدید عربی ادب پر اس کے اثرات، طبع علی گڑھ، ۲۰۰۱ئ، ص ۶۷
۲۵۔ المرأۃ المصریۃ، ص ۲۲۱۔ ۲۲۳
۲۶۔ حوالہ سابق، ص ۱۳۳۔ ۱۳۴
۲۷۔ حوالہ سابق، ص ۱۴۴۔ ۱۴۵

بحث ونظر

اسلامی ریاست میں مذہبی آزادی

ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی

اسلام ایک آفاقی دین ہے۔ اس کی تعلیمات میں جملہ انسانوں کے حقوق کی رعایت کی گئی ہے۔ اس نے جہاں مسلمانوں کو تمام حقوق عطا کیے ہیں وہیں غیرمسلموں کو بھی مذہبی وسماجی تحفظات فراہم کیے ہیں۔ یہ اسلامی ریاست کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں کو ان کی مذہبی رسوم، عقیدہ اور اظہار رائے کی آزادی دے۔ اسلام نے حریتِ عقیدہ کو پوری طرح تسلیم کیا ہے اور ہر فرد کو کامل آزادی عطا کی کہ وہ اپنی عقل ونظر اور فکر وفہم کو بنیاد بنا کر اپنے لیے جو عقیدہ چاہے اختیار کرے۔

بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام مذہبی آزادی کا قائل نہیں ہے، بلکہ وہ نوع انسانیت کو اپنے رنگ میں رنگنے ہی میں دل چسپی رکھتا ہے۔ حالاں کہ یہ بالکل بے بنیاد اعتراض ہے۔ اسلام ایک فطری دین ہے۔ اس کی اساس رواداری، سماجی عدل اور مساوات جیسے اصولوں پر قائم ہے۔ اسلام نے ان اصولوں کو فروغ دینے کا حکم دیا ہے اور اپنے ماننے والوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ لوگوں کو حق و باطل کے بارے میں صاف صاف سمجھائیں۔ اس کے بعد انہیں اختیار ہے کہ وہ اپنے لیے کون سا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ چاہیں تو حق قبول کرلیں اور چاہیں ضلالت وگم راہی کے راستے پر چلتے رہیں۔ ان پر زور زبردستی کرکے انہیں اسلام میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ قرآن کا اس سلسلے میں واضح اعلان ہے:

لاَ إِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَي (البقرۃ: ۲۵۶)
دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ گم راہی کے مقابلے میں ہدایت کا راستہ بالکل واضح ہو چکا ہے‘‘۔

اس آیت میں ’لا‘ کے ذریعہ نفی کی گئی ہے، جو ’نہی‘ کے معنی میں ہے اور اس میں تاکید ممانعت ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے:

وهذا نفي في معنى النهي، أي لا تكرهوا أحداً على الدين۔ ا؎
’’یہ نفی ’نہی‘ کے معنی میں ہے اور اس کا مطلب ہے کہ دین (مذہب اور عقیدے) کے معاملے میں کسی کے ساتھ زور زبردستی نہ کی جائے‘‘۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

يقول تعالیٰ (لا اكراه في الدين) اي لا تكرهوا أحداً على الدخول في دين الاسلام، فانه بيّن واضح على دلائله و براهينه لا يحتاج أن يكره أحد على الدخول فيه۔ ۲؎
’’اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ دین کے معاملہ میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ (اے مسلمانو!) تم کسی شخص کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کی کوشش نہ کرو، اس لیے کہ یہ دین بالکل صاف اور واضح ہے اور اس کے دلائل و براہین روشن ہیں۔ چنانچہ اس کو اس کی قطعی ضرورت نہیں کہ کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کیا جائے‘‘۔

علامہ زمخشریؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

أي لم يجر الله أمر الايمان على الاجبار و القسر، و لكن على التمكين و الاختيار۔ ۳؎
’’اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے ایمان کو زبردستی اور مجبوری کی بنیاد پر نہیں رکھا ہے، اس کے بجائے اس نے انتخاب اور اختیار کی آزادی دی ہے‘‘۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں:

’’اسلام نے ’لا اکراہ فی الدین‘ کا اصول انسانیت کو دیا اور اس کے تحت ہر شخص کو آزادی عطا کی کہ وہ کفر و ایمان میں سے جو راہ چاہے اختیار

کرے۔قوت کا استعمال اسلام میں اگر ہے تو دو ضروریات کے لیے ہے :ایک یہ کہ اسلامی ریاست کے وجود اور اس کے استقلال کی سلامتی کے لیے میدان جہاد میں دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے اور دوسرے یہ کہ نظم ونسق اور امن و امان کے تحفظ کے لیے جرائم اور فتنوں کا سدّ باب کرنے کے لیے عدالتی اور انتظامی اقدامات کیے جائیں۔۔۔اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے کبھی اپنی غیر مسلم رعایا کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا اور نہ کسی قوم کو مار مار کر کلمہ پڑھوایا''۔ ۴؎

درج بالا آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ مدینہ میں اسلام کی آمد سے قبل اوس وخزرج کے یہاں رواج تھا کہ جس عورت کے یہاں بچہ نہیں پیدا ہوتا تھا یا پیدا ہو کر جیتا نہیں تھا، وہ نذر مانتی تھی کہ بچہ پیدا ہوا تو اسے یہودی بنادے گی۔ بچہ پیدا ہوتا تو وہ اپنی نذر کی پابندی کو لازم خیال کرتی تھی۔ جب یہود کو مدینہ سے نکالا گیا تو مسلمانوں کے ایسے بہت سے بچے، جو ان کے ساتھ تھے اور ان کے مذہب پر عمل پیرا تھے، وہ بھی ان کے ساتھ نکلے۔اس پر مسلمانوں کی فطری خواہش ہوئی کہ پہلے جو ہوا سو ہوا، اب ان کی اولاد کو یہودیت چھوڑ کر ان کے مذہب (اسلام) میں آجانا چاہیے اور یہود کے ساتھ جانے کے بجائے اپنے حقیقی ماں باپ کے ساتھ ہی رہنا چاہیے۔اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(لاَاِکْرَاہَ فِیْ الدِّیْن) اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ، جو سن شعور کو پہنچے ہوئے ہیں اور انھوں نے اپنی مرضی سے یہودی مذہب اختیار کر رکھا ہے، ان کے مسلمان آباء کو انھیں زبردستی اپنے ساتھ اسلام میں لانے کا اختیار نہیں ہے۔ ۵؎

اس مضمون کی دوسری آیت ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ لآمَنَ مَن فِیْ الأَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعاً أَفَأَنتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتَّی یَکُونُواْ مُؤْمِنِیْن (یونس ۹۹)

''اور اگر تیرا رب چاہتا، بے شک ایمان لے آتے جتنے لوگ کہ زمین میں ہیں سارے، اب کیا تو زبردستی کرے گا لوگوں پر کہ ہو جائیں

باالایمان''۔

اس کی تفسیر میں علامہ زمخشریؒ نے لکھا ہے:

ای لو شاء لقسر هم علی الایمان و لکنه لم یفعل و بنی الأمر علی الاختیار۔[۶]

''یعنی اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگوں کو ایمان کے لیے مجبور کر دیتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور ایمان کے معاملہ کو اختیار اور آزاد پسندی کی بنیاد پر رکھا''۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

''یعنی آپ کو یہ قدرت نہیں ہے کہ زبردستی کسی کے دل میں ایمان اتار دیں۔ خدا چاہتا تو بے شک سب آدمیوں کے دلوں میں ایمان ڈال سکتا تھا، مگر جیسا کہ پہلے متعدد مواقع میں بتایا جا چکا ہے، ایسا کرنا اس کی تکوینی حکمت و مصلحت کے خلاف تھا، اس لیے نہیں کیا''۔[۷]

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

''یعنی اللہ کی خواہش یہ ہوتی کہ اس کی زمین میں صرف اطاعت گزار فرماں بردار ہی بسیں اور کفر اور نافرمانی کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ ہوتو اس کے لیے نہ یہ مشکل ہے کہ وہ تمام اہل زمین کو مومن و مطیع پیدا کرتا اور نہ یہ مشکل ہے کہ سب کے دل اپنے ایک ہی تکوینی اشارہ سے ایمان و اطاعت کی طرف پھیر دیتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ نبی لوگوں کو زبردستی مومن بنانا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا کرنے سے روک رہا تھا۔ دراصل اس فقرے میں وہی انداز بیان اختیار کیا گیا ہے جو قرآن میں ہمیں بہ کثرت ملتا ہے کہ خطاب بہ ظاہر نبی سے ہوتا ہے، مگر اصل میں لوگوں کو وہ بات سنانی مقصود ہوتی ہے جو نبیؐ کو خطاب کر کے فرمائی جاتی ہے''۔[۸]

مذکورہ شواہد کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلام میں حریتِ اعتقاد اپنے اختیار پر موقوف ہے، کسی کو زبردستی ایمان میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی وجہ

سے مولانا ابوالکلام آزادؒ نے لکھا ہے کہ ''دین کے معاملہ میں کسی طرح کا جبر واستکراہ جائز نہیں ہے۔ دین کی راہ دل کے اعتقاد و یقین کی راہ ہے اور اعتقاد دعوت و موعظت سے پیدا ہوسکتا ہے، نہ کہ جبر واستکراہ سے''۔۹؎

اسلام پر ایمان نہ لانے کی اجازت

اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام پوری آزادی دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام نہ قبول کرنا چاہے تو نہ کرے۔ قرآن کا اس سلسلے میں صاف اعلان ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاء فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاء فَلْيَكْفُر (کہف ۲۹)

''اور کہہ: سچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے، پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے''۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلِ اللّٰہَ أَعْبُدُ مُخْلِصاً لَّهُ دِيْنِيْ ۔فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُم مِّن دُونِه (الزمر: ۱۴۔۱۵)

''تو کہہ: میں تو اللہ کو پوجتا ہوں خالص کر کے اپنی بندگی اس کے واسطے، اب تم پوجو جس کو چاہو اس کے سوا''۔

ایک اور جگہ اس کا ارشاد ہے:

وَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنتُمْ بَرِيْئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَابَرِيءٌمِّمَّاتَعْمَلُون (سورہ یونس:۴۱)

''اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو کہہ میرے لیے میرا کام اور تمہارے لیے تمہارا کام، تم پر ذمہ نہیں میرے کام کا اور مجھ پر ذمہ نہیں جو تم کرتے ہو''۔

ان آیات کی روشنی میں یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اسلام نے

انسانوں کو مذہب اختیار کرنے کے سلسلے میں آزاد رکھا ہے۔ وہ چاہیں تو اسلام قبول کر کے دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کریں اور اگر اسے نہ قبول کرنا چاہیں تو انہیں اس بات کا بھی پورا اختیار ہے۔

پرسنل لا پر عمل کرنے کی آزادی

اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہری اپنے پرسنل لا پر عمل کرنے میں آزاد ہیں۔ اس سلسلے میں ان پر کسی طرح کی پابندی عائد نہیں ہے۔ عہد رسالت میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ ایک مثال محرمات سے نکاح کی ہے۔ اگر کوئی مسلمان محرمات میں سے کسی عورت سے نکاح کرے تو وہ اسلامی قوانین کے مطابق سزا کا مستحق ہوگا لیکن اگر دوسرے مذاہب کے لوگ ایسا کریں اور ان کے مذہب میں ایسا کرنے کی اجازت ہو تو اسلامی ریاست میں ان پر کسی طرح کی پابندی عائد نہ ہوگی۔ حضورؐ کے زمانہ میں مجوس سگی بہنوں سے شادی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک ساتھ دو بہنوں، نیز خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو بیک وقت نکاح میں جمع کرتے تھے۔ لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے مجوسیوں سے اس معاملہ میں کوئی تعرض نہیں کیا۔[۱۰] اسی طرح اگر وہ مہر اور گواہ کے بغیر اپنے یہاں شادی کو جائز قرار دیتے ہوں اور عدت کی پابندی نہ کرتے ہوں تو اسلامی ریاست انہیں اس کی پوری اجازت فراہم کرے گی اور ان کے معاملہ میں اس کو دخل اندازی کا قطعی حق نہ ہوگا۔[۱۱]

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی یہاں تک حاصل ہوگی کہ ان پر شراب اور سور کے استعمال کی کسی طرح کی پابندی نہیں عائد کی جائے گی، جب کہ اسلام میں مذکورہ دونوں چیزیں حرام ہیں، ان کا استعمال کرنا جرم عظیم ہے۔ جب اسلام انہیں غیر اللہ کی پرستش کی اجازت دیتا ہے تو ان کو سود اور شراب کے استعمال سے کس طرح روکا جاسکتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے ایک اصول یہ بیان کیا ہے:

ونحن أمرنا أن نترکھم وما یعتقدون۔ ۱۲؎

''ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم غیر مسلموں کو آزاد چھوڑ دیں کہ وہ اپنے عقیدے اور مذہب پر جس طرح چاہیں، عمل کریں''۔

علامہ طبریؒ نے لکھا ہے:

لا یغیرون عن ملۃ و لا یحال بینھم و بین شرائعھم۔ ۱۳؎

''انہیں ان کے مذہب کے کسی طریقے کو بدلنے کو نہیں کہا جائے گا، نہ اپنی شریعت پر عمل کے معاملہ میں ان کے سامنے کسی طرح کی رکاوٹ کھڑی کی جائے گی''۔

مذکورہ شواہد کی روشنی میں یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کو عقیدے کی آزادی کے ساتھ مذہب پر عمل کرنے کی بھی پوری چھوٹ دی ہے۔ایک مثالی فلاحی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں کے حقوق کا تحفظ کرے۔البتہ اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مذہبی مراسم اور شعائر کو پبلک میں اعلان واظہار کے ساتھ ادا کرنے کے متعلق اسلامی قانون یہ ہے کہ اہل ذمہ اپنی بستیوں میں تو ان کو پوری آزادی کے ساتھ کرسکیں گے، البتہ خالص مسلم آبادیوں میں اسلامی حکومت کو اختیار ہوگا کہ ان پر پابندی عائد کر دے۔

علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے:

لا یمنعون من اظھار شيء مما ذکرنا من بیع الخمر والخنزیر واخراج الصلیب وضرب الناقوس فی قریۃ أو موضع لیس من امصار المسلمین ولو کان فیہ عدد کثیر من أھل الاسلام، وانما یکرہ ذلک فی أمصار المسلمین، وھی التی یقام فیھا الجمع والاعیاد والحدود واما اظھار فسق یعتقدون حرمتہ کالزنا وسائر الفواحش التی حرام فی دینھم فانھم یمنعون من ذلک سواء کانوا فی أمصار المسلمین أو فی امصارھم۔ ۱۴؎

''جو بستیاں 'امصار المسلمین' میں سے نہیں ہیں ان میں ذمیوں کو شراب

وخنزیر بیچنے، صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا، خواہ وہاں مسلمانوں کی کتنی ہی کثیر آبادی ہو، البتہ یہ افعال 'امصار المسلمین' میں ناپسندیدہ ہیں، یعنی ان شہروں میں جنہیں جمعہ وعیدین اور اقامت حدود کے لیے مخصوص کیا گیا ہو۔ رہا وہ فسق جس کی حرمت کے خود وہ بھی قائل ہیں، مثلاً زنا اور دوسرے تمام فواحش، جو ان کے مذہب میں بھی حرام ہیں تو اس کے علانیہ ارتکاب سے ان کو ہر حال میں روکا جائے گا، خواہ وہ امصار المسلمین میں ہوں یا خود اپنے شہروں میں''۔

معبودانِ باطل کو برا بھلا کہنے کی ممانعت

یہ نکتہ بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ غیر مسلم جن معبودوں کی عبادت کرتے ہیں، مسلمانوں کے لیے ان کو برا کہنا اور ان پر سبّ وشتم کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ مسلمانوں کو صرف پیغامِ اسلام کی تبلیغ واشاعت کا حکم دیا گیا ہے، دوسرے مذاہب کے معبودوں کی تذلیل وتوہین کرنے کی انہیں اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَن (العنکبوت: ۴۶)

''اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر اس طریقے سے جو بہتر ہے''۔

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو غیر مسلموں کے معبودوں پر کیچڑ اچھالنے اور ان کی توہین وتذلیل کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، بلکہ اپنی بات کو احسن طریقے سے پیش کرنے پر زور دیا ہے۔ دوسری جگہ صراحت سے مخالفین کے معبودوں پر سبّ وشتم کرنے سے منع کیا گیا ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الانعام: ۱۰۸)

''یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں تم انہیں برا بھلا نہ کہو کہ وہ حد سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے لگیں۔ اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے لیے اس کا عمل خوش نما بنا دیا ہے۔ پھر انہیں اپنے رب کے

پاس لوٹنا ہے، جو انہیں بتادے گا کہ وہ کیا کرر ہے تھے''۔

علامہ ابن العربیؒ نے آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

اتفق العلماء على أن معنى الآية لاتسبوا آلهة الكفار فيسبوا الٰهكم، فمنع الله تعالىٰ فی كتابه أحداً ان يفعل فعلاً جائزاً يؤدی الى محظور، ولأجل هذا تعلّق علماؤنا بهذه الآية فی سدّ الذرائع ۱۵؎

''علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ کفار کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو، کیوں کہ پھر وہ تمہارے معبود کو گالم گلوچ کریں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں منع کیا ہے ہر ایسا کام کرنے سے جو بذات خود جائز ہو، مگر کسی گناہ کی طرف لے جاتا ہو۔ اسی وجہ سے علماء نے اس آیت کو سدِّ ذرائع میں شامل کیا ہے'۔

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

''یہ نصیحت نبیؐ کے پیروؤں کو کی گئی ہے کہ وہ اپنی تبلیغ کے جوش میں اتنے بے قابو نہ ہوجائیں کہ مناظرے اور بحث وتکرار سے معاملہ بڑھتے بڑھتے غیر مسلموں کے عقائد پر حملہ کرنے اور ان کے پیشواؤں اور معبودوں کو گالیاں دینے تک نوبت پہنچ جائے، کیوں کہ یہ چیز ان کو حق سے قریب لانے کے بجائے اور زیادہ دور پھینک دے گی''۔ ۱۶؎

غیر مسلموں کو اسلام کے بارے میں جاننے کی اجازت

دنیا کا یہ اصول ہے کہ دوران جنگ اگر کوئی مخالف مذہب کا شخص کسی قوم کے ہاتھوں لگ جائے تو اسے کسی طرح کی امان حاصل نہیں ہوسکتی، مگر اسلام نے اس سلسلہ میں رواداری اور حسن سلوک کا جو معاملہ کیا ہے وہ انتہائی اہم اور مبنی بر عدل ہے۔ اسلام نے حکم دیا ہے کہ کوئی غیر مسلم اسلام کے متعلق کچھ جاننا چاہے تو اسے اس کا موقع فراہم کیا جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللهِ

ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَّ يَعْلَمُونَ (التوبۃ:۶)

''اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دے، یہاں تک کہ وہ سن لے کلام اللہ کو، پھر پہنچا دے اس کو اس کی امن کی جگہ۔ یہ اس واسطہ کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے''۔

اس آیت کی تشریح میں علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ نے لکھا ہے:

'اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ حربی جب ہم سے امان طلب کرے تو اسے امان دینا جائز ہے، تاکہ وہ اسلام کی صحت اور صداقت کے دلائل سن سکے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا قول ''اگر تم سے پناہ کا دخواست گار ہو'' کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ تم سے طالبِ امن ہو اور اللہ تعالیٰ کے قول'' پس اسے پناہ دو'' کے معنی یہ ہیں کہ اسے امن دو، تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے، جس میں صحتِ توحید اور صحتِ نبوت کی دلیلیں ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی کافر توحید اور نبوت کے بارے میں دلیل و برہان کا مطالبہ کرے تو ہمارے لیے اس کو قتل کر دینا ناجائز ہے، جب کہ اس سلسلے میں وہ ہم سے طالبِ امن ہو، سوا اس صورت کے کہ ہم دلیلیں بیان کر دیں اور حجت قائم کر دیں۔ کیوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ امان دیں، یہاں تک کہ وہ کلام الٰہی سن لے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی ہم سے امورِ دین کی تعریف و تبیین چاہے تو ہم اسے تعلیم دیں، اس لیے کہ وہ کافر ہمارے پاس اس لیے پناہ گزیں ہوا ہے کہ دین کی صحیح معرفت حاصل کرے''۔ ۱۷؎

قرطبی نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

ظاهر الآية إنما هي من يريد سماع القرآن و النظر في الاسلام فأما الجارة لغير ذلك فإنما هي لمصلحة المسلمين و النظر في ماتعددعليهم به منفعة۔ ۱۸؎

''آیت کا تعلق بظاہر اس شخص سے ہے جو قرآن مجید کو سننا اور اسلام پر

غور وفکر کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ جہاں تک کسی اور مقصد سے امان فراہم کرنے کا تعلق ہے تو اس میں مسلمانوں کے مفادات کو سامنے رکھا جائے گا''۔

شرح السیر الکبیر میں ہے:

'اذا قال الحربی او الذمی للمسلم علّمنی القرآن، فلا بأس بأن یعلّمه و یفقّهه فی الدین، لعل الله یقلب قلبه۔[۱۹]

''اگر حربی یا ذمی مسلمان سے کہے کہ مجھ کو قرآن کی تعلیم دو تو کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس کو اس کی تعلیم دے اور اس کے اندر دین کی سمجھ پیدا کرے۔ ممکن ہے کہ اس طرح اللہ اس کے دل کو پلٹ دے''۔ (یعنی وہ مسلمان ہو جائے)

تفصیل بالا کی روشنی میں چند باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں:

۱۔ اسلامی ریاست میں حالت جنگ میں بھی، دشمن کے لیے آمد و رفت، تعلیم، تجارت اور سفارت جیسی سرگرمیوں کے لیے دروازے کھلے رکھنا چاہئیں، تاکہ ان کے افراد بھی اسلام کی تعلیم اور مسلمانوں کے عام رویہ کو جان سکیں۔

۲۔ محارب قوم کا کوئی فرد اللہ کی کتاب اور اس کے احکام کو سمجھنا چاہے تو اسے اس کا موقع دیا جائے گا، تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کا اطمینان سے مطالعہ کر سکے۔ اس سلسلے میں اسے ہر طرح کی سہولیات فراہم کی جائیں گی، مگر اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ یہ اسلام کی اصولِ آزادی کی خلاف ہے۔

۳۔ محارب قوم کا کوئی شخص قرآن مجید اور اس کی تعلیمات کو سمجھنے کے علاوہ کسی اور مقصد سے بھی اسلامی ریاست میں آنا چاہے تو اسے آنے کی اجازت دی جائے گی اور وہ محفوظ و مامون رہے گا۔ ضرورت کی تکمیل ہوتے ہی اسے اس کے مقام پر بحفاظت پہنچا دیا جائے گا۔

۴۔ محارب قوم کے فرد کو اسلام پر غور وفکر کرنے کی پوری اجازت حاصل ہوگی۔ اسلام کو قبول کرنے کے سلسلہ میں اس سے کسی طرح کی جلد بازی کا مطالبہ نہیں

کیا جائے گا، جیسا کہ حضرت ثمامہ بن اثال کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انہیں تین دن تک باندھے رکھا، اس کے بعد آزاد کر دیا۔

عبادت گاہوں کا تحفظ

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے معابد محفوظ رہیں گے۔ ان سے کسی طرح کا تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی ظالم وجابر ایسا کرتا ہے تو وہ اللہ کے فرمان کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ مختلف مذاہب کے عبادت خانوں کی حفاظت کے لیے حسب ضرورت تلوار بھی اٹھائی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوٰمِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ وَمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا وَلَيَنصُرَنَّ اللّٰهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (الحج:۴۰)

''اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرتا تو خانقاہیں، گرجے، عبادت گاہیں اور مساجد، جن میں اللہ کا نام بہ کثرت لیا جاتا ہے، سب منہدم کر دیے جاتے اور اللہ ضرور مدد کرے گا ان لوگوں کی جو اس کی مدد کرتے ہیں، بے شک اللہ طاقت ور اور غالب ہے''۔

'صومعہ' کی جمع 'صوامع' ہے۔ اس سے مراد عام راہبوں اور سنیاسیوں کی خانقاہیں ہیں۔ 'بیعہ' کی جمع 'بیع' ہے۔ اس سے مراد عیسائیوں کے گرجے ہیں۔ 'صلوۃ' کی جمع 'صلوات' ہے۔ اس سے مراد یہود کے عبادت خانے اور ان کے کنیسے ہیں اور مسجد کی جمع مساجد ہے۔ اس سے مراد اہلِ اسلام کی عبادت گاہیں ہیں۔ ۲۰ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کا حکم صرف مسلمانوں ہی کو نہیں دیا گیا ہے، بلکہ ظلم و بربریت کو مٹانے کے لیے اس کا حکم دوسرے انبیاء اور ان کی امتوں کو بھی دیا جاتا رہا ہے۔ اگر یہ حکم نہ ہوتا تو دنیا میں ظلم وستم عام ہو جاتا اور عبادت گاہیں تک محفوظ نہ رہتیں۔ اللہ کے دشمن انہیں بھی مسمار کر کے رکھ دیتے۔ اس لیے جب بھی ظلم نے حد سے تجاوز کیا اور ظالموں نے ادیان و مذاہب کی نشانیوں کو ملیامیٹ کر دینا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اہل

حق کو ان کی سرکوبی کے لیے کھڑا کیا ہے اور ان کے ذریعہ اس طرح ظلم کے بڑھتے قدم روک دیے ہیں۔۲۱؎

اس آیت کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ ظلم و جور، جو مشرکین کی جانب سے مسلمانوں پر ہو رہا تھا، اگر اہل ایمان کو اس کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہ ہوتی تو زمین پر کوئی بھی عبادت گاہ باقی نہ رہتی۔ یہودیوں کے معبد، نصاریٰ کے گرجے اور خانقاہیں اور مسلمانوں کی مساجد سب منہدم کردی جاتیں۔۲۲؎

ان میں سے کوئی بھی مفہوم مراد لیا جائے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عبادت گاہوں کو مسمار کرنا، اسلام کے نزدیک سراسر ظالمانہ رویہ ہے۔ اسلام کی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی حفاظت اسی طرح ہونی چاہیے جس طرح مساجد کی ہوتی ہے۔ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ مسلمان جن شہروں کو فتح کریں، ان میں غیر مسلموں کی عبادت گاہیں باقی رہیں گی، ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

أيّما مصّر مصرته العجم ففتحه اللہ علی العرب فنزلوه فان للعجم مافي عهدهم۔ ۲۳؎

”جس شہر کو عجم نے آباد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے عربوں کو اس پر فتح نصیب کی اور وہ وہاں پہنچے تو عجم کی وہ چیزیں باقی رہیں گی جو ان کے عہد میں تھیں“۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ”ذمیوں کے کلیسا، ان کی عبادت گاہیں اور ان کے آتش کدے مسمار نہیں کیے جائیں گے“۔ ۲۴؎

غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے تحفظ کے سلسلے میں عہد رسالت میں متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں عیسائیوں سے معاہدہ کیا تھا، جس کی رو سے ان کو تمام حقوق فراہم کرنے کے ساتھ ان کے عبادت خانوں کو بھی

تحفظ فراہم کیا تھا اور مذہبی امور انجام دینے کی انھیں اجازت دی تھی۔ معاہدہ کا متن درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد النبی الی الأسقف الحارث وألساقفة نجران وکفتهم ورهبانهم وأهل بیتهم ورفیقهم وملّتهم ومواطنهم وعلی کل ماتحت أیدیهم من قلیل و کثیر جوار اللہ ورسوله، لایغیر أسقف من سقفیة ولا راهب من رهبانیة ولا کاهن من کهانیة ولا یغیر حق من حقوقهم ولا سلطانهم ولا مما کانوا علیه، علی ذلک جوار اللہ ورسوله أبداً۔ ۲۵

'محمد کی طرف سے اسقف ابو حارث اور نجران کے دوسرے پادریوں اور راہبوں، ان کے رفیقوں، اہل بیت اور غلاموں کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں ہر ایک چھوٹی بڑی چیز جیسی تھی، ویسی ہی رہے گی۔ اللہ اور اس کے رسول نے یہ عہد کیا کہ نہ کوئی بشپ اپنے عہدے سے نہ کوئی راہب اپنی خانقاہ سے اور نہ کوئی پادری اپنے منصب سے خارج کیا جائے گا اور نہ ان کے اختیارات، حقوق اور معمول میں کسی قسم کا تغیر ہونے پائے گا۔ یہ ہمیشہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہے'۔

کتب تاریخ میں ایک اور معاہدہ کا ذکر ہے، جو آپؐ نے ۶۲۳ء میں سینٹ کیتھرائن سے کیا تھا۔ اس کی رو سے راہبوں اور تمام عیسائیوں کو مذہبی آزادی، عبادت گاہوں کا تحفظ اور دیگر تمام حقوق عطا کیے گئے تھے۔

نئی عبادت گاہوں کی تعمیر

البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اسلامی ریاست میں جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہے وہاں غیر مسلم اپنی عبادت گاہیں تعمیر نہیں کرسکتے۔ اسی طرح جن شہروں کو مسلمانوں کے تہذیبی مراکز کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، ان میں بھی غیر مسلموں کو نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ جن بستیوں میں خاص کر ذمیوں کی

آبادیاں ہوں، وہاں وہ اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرسکتے ہیں۔۲۶؎ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی علاقے کے لوگوں کی اسلامی ریاست سے اس بات پر صلح ہو جائے کہ پورے علاقے پر یا اس کے ایک حصہ پر قبضہ ان کا رہے گا اور وہ خراج ادا کریں گے تو صلح کے مطابق زمین ان کی ہوگی اور وہ اس میں اپنی عبادت گاہیں اور گرجے تعمیر کرسکتے ہیں۔۲۷؎

ان آثار و شواہد سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی ریاست میں غیرمسلموں کے معابد باقی رہیں گے، ان سے کسی طرح کا تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اگر ان کی مرمت کی ضرورت ہے تو انہیں اس کی اجازت ہوگی، کیوں کہ یہ ان کا آئینی حق ہے اور اسلام اس معاملہ میں کسی طرح کی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا۔

فقہاء نے جو احکام بیان کیے ہیں، ان کی کچھ نہ کچھ سیاسی مصالح رہی ہوں گی، اس لیے انہوں نے نئے معابد تعمیر کرنے کی عمومی اجازت نہیں دی۔ البتہ قرآن و حدیث میں واضح طور پر کہیں اس سے منع نہیں کیا گیا ہے، اس لیے میرے خیال میں غیرمسلموں کو نئے معابد تعمیر کرنے کی بھی اجازت ہونی چاہیے۔

غیرمسلموں کا مذہبی مقامات میں داخلہ

اس سلسلہ میں بعض اور سوالات بھی پیدا ہوتے ہیں: ایک یہ کہ کیا غیرمسلم یا مشرک حدود حرم میں داخل ہوسکتا ہے؟ دوسرا یہ کہ کیا غیرمسلم مسجد میں داخل ہوسکتا ہے؟ اور تیسرا سوال یہ کہ کیا مسلمان غیرمسلم کے عبادت خانے میں نماز پڑھ سکتا ہے؟

جو حضرات ان سوالات کا جواب نفی میں دیتے ہیں وہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت پیش کرتے ہیں:

يَٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَـٰذَا۔ (التوبۃ:۲۸)

''اے ایمان والو! مشرک نجس ہیں، لہٰذا اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں''۔

لیکن فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اس آیت میں نجاست سے مراد اعتقادی نجاست ہے، اس کا جسمانی نجاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ علامہ جصاصؒ فرماتے ہیں:

'اطلاق اسم النجس علی المشرک من جهة أن الشرک الذی یعتقده یجب اجتنابه کما یجب اجتناب النجاسات و الأقدار فلذلک سمّاهم نجساً۔ ۲۸

''مشرک پر اسم نجس کا اطلاق اس پہلو سے ہے کہ شرک سے، جس پر اس کا عقیدہ ہے، اسی طرح اجتناب ضروری ہے جس طرح نجاسات اور گندگیوں سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں نجس کہا ہے''۔

علامہ شوکانیؒ نے لکھا ہے:

و ذهب الجمهور من السلف و الخلف و منهم أهل المذاهب الأربعة الی أن الکافر لیس بنجس الذات، لأن الله سبحانه أحلّ طعامهم و ثبت عن النبی صی الله علیه و سلم فی ذلک من فعله و قوله ما یفید عدم نجاسة ذواتهم، فأکل فی آنیتهم و شرب منها و توضأ فیها و أنزلهم فی مسجده۔ ۲۹

''جمہور سلف و خلف اور ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ کافر اپنی ذات میں نجس نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے حلال کیے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے ثابت ہے کہ وہ اپنی ذات میں نجس نہیں ہیں۔ آپؐ نے ان کے برتنوں میں کھایا ہے، ان میں پیا ہے، ان سے وضو کیا ہے اور انہیں اپنی مسجد میں قیام کرایا ہے''۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے:

أما الکافر فحکمه فی الطهارة و النجاسة حکم المسلم، هذا مذهبنا و مذهب الجماهیر من السلف و الخلف، و أما قول الله عز

وجل ''إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ'' فالمراد نجاسة الإعتقاد والاستقذار وليس المراد أن أعضائهم نجسة كنجاسة البول والغائط ونحوهما، فإذا ثبت طهارة الآدمي، مسلماً كان او كافراً، فعرقه ولعابه ودمعه طاهرات، سواء كان محدثاً او جنباً او حائضاً او نفساء، وهذا كله باجماع المسلمين۔۳۰؎

''کافر کا حکم بھی پاکی اور ناپاکی کے معاملہ میں مسلم جیسا ہے۔ یہی ہمارا (شوافع) اور جمہور سلف وخلف کا مسلک ہے۔ اللہ کے ارشاد ''مشرک ناپاک ہیں'' سے اعتقاد کی نجاست اور گندگی مراد ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے اعضائے جسم پیشاب پاخانے کی طرح ناپاک ہیں۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ آدمی پاک ہے، چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر، تو اس کا پسینہ، لعاب اور آنسو بھی پاک ہیں، خواہ وہ بے وضو ہو یا جنابت کی حالت میں ہو یا عورت حیض یا نفاس کی حالت میں ہو۔ ان باتوں پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ مشرک کا مسجد میں داخل ہونا ممنوع نہیں ہے۔ اس کی تائید عہد نبوی کے متعدد واقعات سے ہوتی ہے۔ وفد ثقیف کا واقعہ مشہور ہے۔ جب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کے لیے مسجد میں ایک خیمہ نصب کرایا۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو نجس لوگ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: یہ لوگ ظاہری طور پر ناپاک نہیں ہیں، بلکہ ان کا اندرون گندا ہے۔۳۱؎

غیر مسلموں کو مساجد میں عبادت کرنے کی اجازت

جب اس مسئلہ کی وضاحت ہوگئی کہ غیر مسلموں کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت ہے تو کیا وہ ان میں اپنی عبادت کرسکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں کتب سیرت و حدیث سے یہ رہ نمائی ملتی ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اسے مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور انہیں اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

نصاریٰ کا وفد جب آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اس وقت آپؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ لوگ بہت عمدہ لباس سے آراستہ تھے۔ بعض صحابہ، جنہوں نے ان کو دیکھا تھا، فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے بعد کوئی ایسا گروہ نہیں دیکھا۔ جس وقت یہ لوگ پہنچے، آپؐ عصر کی نماز پڑھ کر بیٹھے تھے۔ ان کی عبادت کا وقت آیا تو وہ مسجد ہی میں عبادت کرنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: ''ان کو عبادت کرنے دو، کچھ نہ کہو''۔ چنانچہ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔

پتہ چلا کہ شریعت اسلامیہ نے غیر مسلم یا اہل کتاب کو مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بتا دینا بھی مناسب ہوگا کہ مسلمان بھی کنیسہ یا گرجا وغیرہ میں نماز پڑھ سکتا ہے۔ کیوں کہ اسلام دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کو عبادت گاہ کی حیثیت سے تسلیم کرتا ہے۔ اس لیے کہ ان میں کسی نہ کسی حیثیت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے: ''تجوز الصلوٰۃ فی الکنیسۃ''۔ ۳۳؎

> ''عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہ میں مسلمان نماز پڑھ سکتے ہیں''۔

غیر مسلم کا داخلہ حدودِ حرم میں

اس سلسلے میں ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ کیا غیر مسلم کا داخلہ حدود حرم میں ہوسکتا ہے؟ اس مسئلہ میں فقہاء کی دو آراء ہیں: ایک رائے تو یہ ہے کہ سورۂ توبہ آیت نمبر ۲۸ میں مشرکین کے مسجد حرام میں داخلہ کی ممانعت ہے، البتہ حدود حرم میں وہ داخل ہوسکتے ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ حدودِ حرم میں بھی انہیں داخلہ کی اجازت نہیں ہے، ۳۴؎

حنابلہ کہتے ہیں کہ مسجد حرام میں غیر مسلموں کے داخلہ کی اجازت نہیں۔ اسی کے حکم میں حدود حرم بھی آتے ہیں۔ انہوں نے اپنی دلیل میں سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کا حوالہ پیش کیا ہے، جس میں معراج کا ذکر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ غیر مسلم حدودِ حرم میں داخل ہونا چاہے تو اسلامی ریاست اسے منع کرے گی۔ تاجروں اور سفیروں کو بھی اس کی اجازت نہ ہوگی۔ اگر کسی غیر مسلم کے ساتھ سامانِ تجارت اور غلہ ہے تو وہ حرم سے باہر قیام کرے گا۔ جو لوگ خریدنا چاہیں گے، وہاں پہنچ کر خرید لیں گے۔ اسی طرح غیر مسلم سفیر اپنا پیغام مسلمانوں کے ذریعہ پہنچائے گا اور ضرورت پڑنے پر حاکم اس سے حدودِ حرام سے باہر آکر ملاقات کرے گا۔ وہ عمداً حدودِ حرم میں داخل ہو تو اس کی تعزیر ہوگی اور اگر ناواقفیت کی وجہ سے ایسا کرے تو تنبیہ ہوگی۔ ۳۵؎

احناف کا مسلک یہ ہے کہ قرآن کی مذکورہ آیت میں ممانعت کا تعلق حج سے ہے۔ ایام حج میں غیر مسلم کا داخلہ خانۂ کعبہ اور مقاماتِ حج میں ممنوع ہے، دوسرے ایام میں یہ ممانعت ختم ہوجاتی ہے۔ غیر مسلم مسجد حرام اور مقاماتِ حج پر جاسکتا ہے، البتہ وہ اسے وطن نہیں بنا سکتا۔ ہاں، وقت ضرورت آمد و رفت کرسکتا ہے۔ جہاں تک دیگر مساجد کا معاملہ ہے تو اس کے سلسلہ میں اس طرح کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ ۳۶؎

غیر مسلموں کے تہوار

کسی بھی قوم کے تہوار اور جلسے جلوس اس کی تہذیبی شناخت ہوتے ہیں۔ ان کو منانا ان کی معاشرتی زندگی کا ایک اہم حصہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اپنے تہواروں کی رسوم بہ خوشی ادا کریں۔ ایک فلاحی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی رعایا کو ان کے مذاہب کے مطابق زندگی گزارنے کا انتظام و انصرام کرے۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے:

وعلی أن یضربوا نواقیسھم فی أی ساعة شاءوا من لیل أو نھار الا فی أوقات الصلوات، علی أن یخرجوا الصلیب فی أیام عیدھم۔۳۷

''اسلامی ریاست کے غیر مسلموں کو آزادی ہے کہ نماز کے اوقات کے علاوہ رات اور دن میں جس وقت چاہیں اپنے سنکھ بجائیں۔ اسی طرح انہیں تہوار کے مواقع پر صلیب اٹھانے کی پوری آزادی ہوگی''۔

فقہاء نے اوقاتِ نماز کی قید اس لیے لگائی ہے تا کہ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ٹکراؤ نہ ہو اور ملک میں امن و امان کی فضا استوار رہے۔ جب تک اسلامی ریاست میں مختلف طبقات کے درمیان مودت ومحبت قائم نہیں ہوگی، اس وقت تک غیر مسلم اقلیتیں پرسکون زندگی نہیں گزار سکتیں۔

☆☆☆

حواشی ومراجع

۱۔ ابن قیم الجوزیہ، ہدایۃ الحیاری فی أجوبۃ الیہود والنصاری، مؤسسۃ مکۃ للطباعۃ والاعلام، بدون سنہ، ج:۱، ص:۱۲

۲۔ ابن کثیر الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم، المکتبہ التجاریہ الکبری مصر، ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ئ۔ ج:۱، ص:۳۰۱

۳۔ زمخشری، ابوالقاسم جار اللہ محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق التنزیل، طبع مصر ۱۹۷۲ئ/ ۱۳۹۲ھ، تحقیق محمد قمحاوی، ج:۱، ص:۳۸۷

۴۔ مودودی، سید ابوالاعلی، اسلامی ریاست، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی ۱۹۹۹ئ، مرتب پروفیسر خورشید احمد، ص:۵۶۷،

۵۔ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، المطبعۃ المیمنیۃ مصر، ج:۳، ص:۹۔۱۰

۶۔ کشاف، ج:۱، ص:۳۸۷

۷۔ ترجمہ شیخ الہند، تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی، ص:۲۹۰۔۲۹۱

۸۔ مودودی، ابوالاعلی: تفہیم القرآن، مطبع مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی، دہلی، ۱۹۷۰ء، ج:۱، ص:۳۱۳